ن م راشد کے تنقیدی نظریات

ڈاکٹر ثمینہ ندیم

Samina Nadeem argues that it is not possible for a poet to write in a new genre and also produce verse of great value in it, unless he possesses a sharp, critical vision. She discusses Rashed's critical views on literary works and issues in this essay.

اردو تنقید میں شعرا کے تذکرے سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اردو میں اس کا آغاز فارسی روایت کے زیرِ اثر اٹھارہویں صدی کے نصف آخر میں ہوا اور انیسویں صدی میں اسے وسعت ملی۔ لیکن اردو تنقید میں نتیجہ خیز تبدیلی انیسویں صدی کے نصفِ آخر میں رونما ہوئی۔

۱۸۵۷ء کی ناکام جنگِ آزادی اور انگریز حکومت کے قیام نے ہر شعبۂ زندگی کو متاثر کیا لہٰذا ادب پر بھی مغربی اثرات ناگزیر تھے چنانچہ سر سید احمد خاں کے تین ہم عصروں مولانا محمد حسین آزاد، مولانا حالی اور شبلی نعمانی نے نظری و عملی تنقید کو جدید نقطۂ نظر سے دیکھنا شروع کیا جس کے نتیجے میں انھیں اردو شاعری کی مروجہ اصناف میں تبدیلی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ مولانا الطاف حسین حالی اور محمد حسین آزاد کے زمانے میں ہیئتی تجربوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ مولانا حالی نے شاعری میں ردیف و قافیے کے التزام کو اظہار کے راستے میں رکاوٹ قرار دیا:

> ''الغرض وزن اور قافیہ جن پر ہماری موجودہ شاعری کا دارومدار ہے اور جن کے سوا اس میں کوئی خصوصیت ایسی نہیں پائی جاتی جس کے سبب سے شعر پر شعر کا اطلاق کیا جاسکے۔ یہ دونوں شعر کی ماہیت سے خارج ہیں۔'' (۱)

اردو کے اس ارتقائی سفر میں ان نقادوں کی اہمیت سے انکار نہیں لیکن بہت جلد سرسید تحریک کے خلاف ردعمل سامنے آیا جس سے تنقید بھی متاثر ہوئی۔ مولانا امداد امام اثر کی ''کاشف الحقائق'' اور مسعود حسن رضوی کی ''ہماری شاعری، معیار اور وسائل'' میں مشرق پسندی کے ساتھ تاثراتی تنقید کا عکس بھی نظر آتا ہے۔ ترقی پسند یا مارکسی تنقید کے سلسلے میں اختر حسین رائے پوری کا مقالہ ''ادب اور زندگی'' اہم ہے جہاں وہ ادب کا مقصد انسانی شعور کی وسعتوں میں تلاش کرتے ہیں۔ اسکے بعد کئی نقاد اسی فلسفے کو لے کر آگے بڑھے۔ ترقی پسند نقادوں کے پیش نظر مخصوص مقاصد تھے جن کا ردعمل حلقۂ اربابِ ذوق میں دیکھا جا سکتا ہے جہاں ادب کے جمالیاتی پہلو کی طرف توجہ کرتے ہوئے اسے تخلیقی شخصیت کا اظہار بتایا گیا۔ میرا جی، صلاح الدین احمد، ریاض احمد اور محمد حسن عسکری کی آراء کو وقعت کی نظر سے دیکھا گیا۔ ن م راشد کا سفر اسی عہد میں شروع ہوا۔ مولانا الطاف حسین حالی کی طرح راشد نے بھی ہیئت کے تجربات کو ضروری سمجھا۔ یہ تجربات شاعری میں نئے مضامین وموضوعات کی طرف پہلا قدم ثابت ہوئے۔

''ادب میں نئی زندگی سے نئے موضوع پیدا ہوئے ہیں اور نئے موضوع کے ساتھ لازماً نئی صورتیں، نئے ادبی روپ، نئے طرزِ نگارش لائے ہیں۔ نثر کا میدان وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے اور نظم بھی اب غزل، رباعی، مسدس، مخمس وغیرہ گنتی کی پرانی پٹڑیوں کو چھوڑ کر ایک ایسی شاہراہ پر چلنے لگی ہے جس سے قدم قدم پر کئی چھوٹے رستوں کی نمود کا امکان ہے۔'' (۲)

ن م راشد کو اس بات کا بخوبی اندازہ تھا کہ آزاد نظم میں ہیئت اور تکنیک کے باضابطہ اصول نہ ہونے کے سبب شاعر وسعت سے جدید مفاہیم ومطالب تک رسائی نہیں رکھتا اس کے لئے قدیم اصناف سخن سے گریز ضروری تھا تا کہ اپنے تجربوں کو نئے احساس اور جدید آہنگ میں پیش کیا جائے۔ راشد کے خیال میں جدید شاعری نیا شعور اور نیا احساس رکھتی ہے اور نئے ماحول اور نئے تقاضوں کے عین مطابق بھی ہے:

''فرد اور نوع کی احتیاجات کے درمیان جو سنگین فاصلہ صدیوں سے قائم تھا اب مٹتا

جا رہا تھا۔ نئے شاعر کے لئے اس دوئی کے خاتمے سے صرفِ نظر کرنا مشکل تھا۔ ترقی پسند شاعری اسی احساس کی بڑھتی ہوئی شدت کی پیداوار تھی۔ قوافی یا ارکان کی نئی ترتیب بذاتِ خود زیادہ اہمیت نہیں رکھتی لیکن یہ نئی ترتیب اس نئے آہنگ کے احساس کی حامل تھی جو نئی زندگی نے بخشا تھا۔ سب سے مشکل کام ان رموز و تلمیحات کی تفریق تھی جن سے قدیم روایتی شاعری اٹی پڑی ہے۔'' (۳)

راشد نے اردو نظم میں ہیئت اور تکنیک کے منفرد تجربے کیے۔ تخلیقی سطح پر یہ شعری تجربات خاص اہمیت کے حامل ہیں لیکن شعری اظہار کے ساتھ نثر میں ان کا زاویۂ نظر معتبر حیثیت رکھتا ہے لیکن راشد کی نمایاں پہچان بطور جدید شاعر ہی رہی اور ان کے تنقیدی نظریات کی طرف توجہ نہ کی گئی جس کے وہ مستحق تھے۔ اس عدم توجہی کا بڑا سبب ان نظریات کا مربوط شکل میں موجود نہ ہونا تھا۔ یہ تنقیدی افکار ایک طویل عرصے کے بعد ۲۰۰۲ء میں شیما مجید نے ''مقالاتِ راشد'' کے عنوان سے مرتب کیے جو ان کے مجموعہ کلام کے دیباچوں، رسالہ شاہکار اور ادبی دنیا میں شائع شدہ مضامین میں موجود ہیں۔ مختلف اوقات میں لکھے گئے ان مضامین میں راشد کی تنقیدی صلاحیتیں واضح ہیں جن کا اعتراف ڈاکٹر سلیم اختر نے بھی کیا ہے:

''ن م راشد جدید نظم کے معروف ترین شاعر ہیں اور اپنے پہلے مجموعہ کلام ''ماورا'' سے لے کر تازہ ترین ''لا=انسان'' تک ان کی شاعری نے ناقدین اور قارئین دونوں کو مسحور کیے رکھا چنانچہ جدید شاعری کا تذکرہ ان کے نام اور کام کے بغیر نامکمل رہ جاتا ہے لیکن کبھی کسی نے بحیثیت نقاد ان کی تحریروں کی طرف توجہ نہ دی اس لئے یہاں راشد کا نام بحیثیت ایک نقاد اور وہ بھی نفسیاتی نقاد یقیناً باعث تعجب ہو سکتا ہے۔ یہ تعجب خیز سہی لیکن یہ حقیقت ہے کہ راشد کا بھی بلاشبہ قدیم ترین نفسیاتی ناقدین میں شمار کیا جا سکتا ہے۔'' (۴)

اختر شیرانی کے کلام پر ن م راشد کی رائے کو ڈاکٹر سلیم اختر نے نفسیاتی تنقید میں شمار کیا

ہے:

''اس مقالے میں اختر شیرانی کی شخصیت، شاعری، سلمیٰ اور رومانویت وغیرہ سبھی پر نفسیاتی لحاظ سے روشنی ڈالی گئی ہے۔'' (۵)

اختر شیرانی نے اردو کے روایتی محبوب کی بجائے شاعری میں محبوبہ کا کردار پیش کیا کہ محبوبہ زندہ اور جیتی جاگتی عورت ہے لیکن راشد کے خیال میں یہ عورت حقیقی ہوتے ہوئے بھی مثالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''سلمیٰ یوں سمجھ لیجیے کہ ایک ideal یا نصب العین تھا جس تک اختر پہنچنا چاہتے تھے۔۔۔ ان کی نغمہ نوازی کا منتہا سلمیٰ ہے یعنی ایک عورت۔'' (۶)

ن م راشد نے اپنے مضمون 'چند لمحے اختر شیرانی کے ساتھ' میں اختر کی صرف عشقیہ شاعری پر تفصیلی اظہار رائے نہیں کیا بلکہ ان کے سماجی موضوعات اور وطن سے محبت کا ذکر بھی کیا ہے۔ راشد نے اختر شیرانی، فیض اور میرا جی کی شاعری پر جو رائے دی ہے وہ محض روایتی انداز کا تبصرہ نہیں بلکہ یہ رائے ان شعرا کے کلام کو سمجھنے اور ان کے علائم و رموز کی تفہیم میں معاون ہے۔ ''نقشِ فریادی'' کے مقدمے میں فیض کے بارے میں لکھتے ہیں:

''فیض نے ابتدا غزل گو کی حیثیت سے کی اس نے غزل کو محض صنفِ سخن کی حیثیت ہی سے اختیار نہ کیا بلکہ اس میں تھوڑی سی تازگی اور شگفتگی کا اضافہ کر کے اس کی قدیم اور روایتی علامات اور تصورات کو برقرار رکھا۔ اس کی غزلیں بہت حد تک قدیم شاعروں کے خیالات ہی کی بازگشت ہیں جیسے کہ ہر اچھی غزل کو ہونا چاہیے۔'' (۷)

نظم کے ساتھ ساتھ نثری تخلیق 'آگ کا دریا'، 'خدا کی بستی'، 'انارکلی' اور 'جاڑے کی چاندنی' پر ن م راشد نے اپنی تفصیلی رائے دی ہے۔ 'جاڑے کی چاندنی' میں غلام عباس کی کردار نگاری کے متعلق لکھتے ہیں:

''غلام عباس کی دنیا اس بے پناہ خلقت سے بھری پڑی ہے، انھیں میں سے وہ اپنے بڑے کرداروں کو نکالتا ہے اور انھیں کے اندر انھیں پھر سے ڈال دیتا ہے۔ انھیں کی مدد سے وہ انسانی دنیا کی چھوٹی بڑی کوتاہیوں پر ہنستا ہے، انھیں کے اعمال سے غلام عباس اپنا یہ بنیادی تصور ہم پر واضح کرنا چاہتا ہے کہ انسان کی دنیا میں کوئی چیز اور کوئی قدر مستقل نہیں، انسان ہمیشہ سے دوسرے انسان کی حیلہ سازیوں کے سامنے بے بس چلا آ رہا ہے اور ان حیلہ سازیوں سے محفوظ رہنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ انسان شر کو بھی خیر کے پہلو بہ پہلو جگہ دے تا کہ دونوں کے آہنگ سے دنیا زیادہ خوبصورت اور زیادہ رنگین ہوتی چلی جائے۔'' (۸)

راشد نے 'خسرو کی طلب' میں امیر خسرو کو عاشق قرار دیا ہے۔ راشد کے خیال میں اس نے سنائی اور عطار کی طرح تصوف کو بطور فلسفہ بیان نہیں کیا بلکہ عشق کے ترانے گاتا ہوا خسرو انسانیت کا گہرا احساس رکھتا ہے راشد کی رائے میں:

''حسن خدا میں ہو، پیغمبر میں، مرشد میں ہو یا محبوب میں، اس کے تخیل کے سامنے یہ سب اپنی الگ اہمیت کھو کر ایک ہی جذبے کا لباس پہن لیتے ہیں اور سب جز ''کل'' میں بدل جاتے ہیں۔'' (۹)

ن م راشد نے غالب، اقبال، مولانا حالی، ظفر علی خان، شاہد احمد، پروفیسر بخاری، مختار صدیقی، میرا جی، سلیم احمد کے فن اور شخصیت پر جامع اظہار خیال کیا ہے نیز مختلف موضوعات مثلاً آزاد شاعری، جدید اردو شاعری، ہیئت کی تلاش، مبادی تنقید، نظم اور غزل، جدید فارسی شاعری، اردو ادب پر معاشرتی اثر، لاطینی رسم الخط، رسم الخط کا مسئلہ، جدیدیت کیا ہے، جدید ادب، تنقید کا مقصد اور اسلوب بیان پر ان کی آراء ان کا شمار اچھے نقادوں میں کرتی ہیں۔ رسالہ شاہکار میں اسلوب بیان پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اسلوب بیان زبان کی اس خصوصیت کا نام ہے جو پوری صحت سے اور کامل طور پر

ہمارے جذبات اور خیالات کو آشکار کرے یہ جذبات اور خیالات کے ایسے نظام کا نام بھی ہے جو ہر مصنف کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے۔ جب خیالات کا غلبہ ہو جائے تو قوت اظہار کی صورت میں نمودار ہوتی ہے اور جب جذبات غالب ہو جائیں تو اظہار کبھی نثر میں ہوتا ہے کبھی نظم میں۔" (۱۰)

راشد نے اسلوبِ بیان کو زبان کی وہ خصوصیت قرار دیا ہے جو پوری صحت کے ساتھ ہمارے جذبات و خیالات کی ترجمانی کرے۔ تخلیق شعر میں راشد نے لفظوں کو بڑی اہمیت دی ہے کیونکہ شاعری کا وسیع تر مفہوم الفاظ ہی ادا کرتے ہیں گویا یہ ایک آئینہ ہیں جس میں قاری شعری تجربے کی پوری تصویر دیکھ سکتا ہے۔

راشد کے موضوعات دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ ان کا رجحانِ طبع جدید شاعری اور جدیدیت کی طرف ہے۔ ان کی تنقید کو کسی خاص خانے میں نہیں رکھا جا سکتا لیکن ان کی تنقیدی تحریروں کی اہمیت مسلّم ہے۔ انھوں نے نظری و عملی دونوں طرح کی تنقید میں منفرد انداز اپنایا ہے۔ ڈاکٹر فخر الحق نوری کی رائے میں "ان کا دائرہ تنقید خاصا پھیلا ہوا تھا" (۱۱) اس دائرے کی وسعت کا اندازہ ان کے متنوع موضوعات سے بخوبی ہوتا ہے۔ راشد یقیناً جدید اردو شاعری میں ہیئت کے منفرد تجربات کے پیشرو ہیں لیکن تنقید میں بھی اپنا الگ زاویۂ فکر رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر سلیم اختر نے ن م راشد کی تنقید کو اپنے موضوع، نفسیاتی تنقید کے حوالے سے پرکھا لیکن ن م راشد کے تنقیدی نظریات کا تفصیلی سراغ ڈاکٹر فخر الحق نوری کے پی ایچ ڈی کے مقالے "ن م راشد، تحقیقی و تنقیدی مطالعہ" میں ملتا ہے یہاں ان کا طویل اقتباس قلمبند کیا جاتا ہے:

"اگر زمانی پھیلاؤ کے اعتبار سے دیکھا جائے تو راشد نے تنقید نگاری میں ایک طویل عمر صرف کی ان کے دستیاب تنقیدی مقالوں میں پہلا مقالہ اختر شیرانی کے ساتھ چند لمحے کے زیرِ عنوان گورنمنٹ کالج لاہور کی مجلسِ اردو کے دوسرے اجلاس

منعقدہ ۱۳ دسمبر ۱۹۳۱ء میں پطرس بخاری کے گھر پر پڑھا گیا۔۔۔ راشد کا آخری دستیاب مقالہ 'خسرو کی طلب' ہے جو انھوں نے اپنی وفات سے کچھ ہی عرصہ پہلے قلمبند کیا مگر انھیں اس کی طباعت کو دیکھنے کی مہلت نہ مل سکی۔ یہ مقالہ کراچی کے ادبی جریدے پاکستانی ادب، بابت اکتوبر، نومبر ۱۹۷۵ء میں شائع ہوا۔ پہلے اور آخری مقالے کی اشاعت کے بیچ چوالیس سال کا فصل پایا جاتا ہے۔۔۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ راشد کی تنقید نگاری کا یہ سفر چار دہائیوں سے بھی زیادہ عرصے کو محیط ہے۔" (۱۲)

اس طویل اقتباس سے ن م راشد کے تنقیدی نظریات کے زمانی پھیلاؤ کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ راشد کا ایک اہم انٹرویو اردو میں 'ایک مصاحبہ ن م راشد کے ساتھ' کے عنوان سے "لا=انسان" کے ابتدائیے کی شکل میں موجود ہے جو راشد نے شکاگو یونیورسٹی کے کارلو کپولا، نیویارک یونیورسٹی کے ارشد حسین اور برکلے یونیورسٹی کے جان سپریٹ کو دیا اس میں بھی راشد کی تنقیدی صلاحیتیں بہت نمایاں ہیں۔ اس انٹرویو میں انھوں نے مختلف سوالوں کے جواب میں ہیئت، تکنیک، جدید ادب اور لفظوں کی اہمیت پر بحث کی ہے۔ ن م راشد کے تنقیدی نظریات مختلف ماہناموں کے اداریوں میں ہوں یا ان کے دیباچوں اور مقدموں میں، ان نظریات میں رسمی اور روایتی کلمات کی بجائے فن، اسلوب اور ہیئت پر بحث کی گئی ہے۔

حواشی

۱۔ حالی۔ مولانا الطاف حسین۔ مقدمہ شعر و شاعری۔ لاہور: جدید بکڈپو، ۱۹۸۰ء۔ ص ۳۶
۲۔ ن م راشد۔ ہیئت کی تلاش۔ مشمولہ: ن م راشد ایک مطالعہ۔ کراچی: مکتبہ اسلوب، ۱۹۸۶ء۔ ص ۳۴۹
۳۔ ن م راشد۔ لا = انسان۔ لاہور: الشال نیپئر روڈ، طبع اول، جنوری ۱۹۹۹ء۔ ص ۳
۴۔ سلیم اختر۔ ڈاکٹر۔ نفسیاتی تنقید۔ لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۸۶ء۔ ص ۱۱۰
۵۔ ایضاً۔ ص ۱۱۳
۶۔ ن م راشد۔ چند لمحے اختر شیرانی کی ساتھ۔ مشمولہ: مقالاتِ راشد (مرتبہ شیما مجید)۔ لاہور: الحمرا پبلشنگ، ستمبر ۲۰۰۲ء۔ ص ۳۴۷، ۳۴۹
۷۔ ایضاً۔ ص ۳۷۶
۸۔ غلام عباس۔ جاڑے کی چاندنی۔ کراچی: انٹرنیشنل پریس، ۱۹۶۰ء۔ ص ۱۰
۹۔ پاکستانی ادب۔ کراچی: جلد ۲ شمارہ ۱۰، ۱۱، اکتوبر، نومبر ۱۹۷۵ء۔ ص ۱۲۴
۱۰۔ شاہکار۔ لاہور: جلد ا شمارہ ۳، جون ۱۹۳۵ء۔ ص ۲
۱۱۔ نوری۔ ڈاکٹر محمد فخر الحق۔ ن م راشد تحقیقی و تنقیدی مطالعہ۔ غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی ایچ ڈی اردو، لاہور: پنجاب یونیورسٹی۔ ۱۹۹۷ء۔ ص ۸۴۸
۱۲۔ ایضاً۔ ص ۸۵۲